۴

تمہید

سیّد سلیمان ندوی

پہلی بات: زبان بہت سے الفاظ کا مجموعہ ہوتی ہے مگر کوئی زبان اپنے آپ میں خالص نہیں ہوتی یعنی ہر زبان پر دوسری زبان یا زبانوں کے اثرات ہوتے ہیں۔ اکثر لفظوں کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ خالص نہیں۔ اگر یہ اُردو میں استعمال کیے جارہے ہیں تو ان کی آوازیں اور ان کے معنی عربی، فارسی یا سنسکرت وغیرہ زبانوں سے اُردو میں آتے ہیں۔ لفظوں میں آوازوں اور معنوں کی تبدیلیاں فطری اور لازمی ہیں۔ یہ اچانک ہی سامنے نہیں آتیں۔ ان تبدیلیوں کو وجود میں آنے کے لیے زمانے لگ جاتے ہیں۔ ہماری زبان اُردو ہے۔ اُردو نے بھی دوسری بہت سی ملکی اور غیر ملکی زبانوں سے الفاظ لیے ہیں۔ ان لفظوں کو اپناتے ہوئے اُردو میں صوتی اور معنوی تبدیلیاں بھی واقع ہوئی ہیں۔ ذیل کے سبق میں ایسی ہی تبدیلیوں کے بارے میں بڑے دلچسپ انداز سے زبان کے ایک بڑے اہم اُصول کا تعارف کرایا گیا ہے۔

مضمون: مضمون ایک نثری صنف ہے۔ اس میں کسی موضوع پر مربوط انداز میں اظہارِ خیال کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں ہے۔ مضمون میں علمیت اور سنجیدگی پائی جاتی ہے۔ اس کے بیان میں خیالات کا تسلسل ضروری ہے۔ مضمون نگاری کا فن مستقل ترقی کر رہا ہے۔ اُردو میں مضمون نگاری کا آغاز اُنیسویں صدی کے وسط سے ہوا۔ سر سیّد اور ان کے معاصرین نے قوم کی اصلاح کے ایک وسیلے کے طور پر مضمون لکھے۔ اس عہد میں عوام میں ذہنی بیداری پیدا کرنے کے لیے مضامین لکھے گئے۔

جان پہچان: سیّد سلیمان ندوی ۲۲ر نومبر ۱۸۸۴ء کو دیسنہ (بہار) میں پیدا ہوئے۔ ان کے اجداد میں بڑے باکمال لوگ گزرے ہیں۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے سماجی روایت کے مطابق گھر پر حاصل کی پھر بہار کے مختلف مدرسوں میں داخل کیے گئے۔ اسی زمانے میں لکھنؤ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کا قیام ہوا۔ سیّد سلیمان نے ۱۹۰۱ء میں یہاں داخلہ لے لیا اور کئی علوم میں دسترس حاصل کی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ صحافت سے بھی وابستہ رہے اور مولانا ابوالکلام آزاد کے اخبار 'الہلال' میں ادارت کی۔ پھر کسی وجہ سے یہ ملازمت چھوڑ کر وہ پونہ (مہاراشٹر) چلے آئے جہاں واڈیا کالج میں انھیں فارسی کا استاد مقرر کیا گیا۔ یہیں انھوں نے عبرانی اور انگریزی زبانوں میں استعداد پیدا کی۔ مولانا شبلی کے اصرار پر سیّد سلیمان ندوی نے اعظم گڑھ میں شبلی کے قائم کردہ ادارے 'دارالمصنّفین' کی ذمہ داری سنبھالی۔

سیّد سلیمان ندوی ایک بلند پایہ مصنف تھے۔ انھوں نے مذہب وفلسفہ، تاریخ اور زبان وادب میں اعلیٰ پایے کے تنقیدی اور تحقیقی مقالات لکھے۔ 'سیرتِ حضرتِ عائشہؓ، ارض القرآن، خطباتِ مدراس، نقوشِ سلیمانی' وغیرہ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ مولانا شبلی 'سیرت النبیؐ' کے نام سے حضورِ اکرمؐ کی سیرت لکھ رہے تھے لیکن بیماری نے انھیں یہ کام مکمل نہ کرنے دیا۔ انھوں نے سیّد صاحب سے اصرار کیا کہ اسے مکمل کردیں۔ سیّد صاحب نے چھے جلدیں مزید لکھ کر اسے مکمل کیا۔ وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ انھوں نے کراچی میں ۲۳ر نومبر ۱۹۵۳ء کو وفات پائی۔

تمہید کے اگر ہم ٹھیٹ معنی کریں تو 'ہندیانا' کہہ سکتے ہیں۔ یہ اصطلاح اصل میں عربوں سے چلی۔ وہ جب کسی دوسری زبان کے لفظ کو اپنی زبان کے اُصول پر خراد کر اس کو عربی بنا ڈالتے تھے تو وہ اپنے اس عمل کو 'تعریب' کہتے تھے۔ یہی قاعدہ فارسیوں نے اپنی زبان میں جاری کیا تو اس کی 'تفریس' کر کے اسے فارسی بنا لیا۔ اب جب اہلِ ہند یہی کریں یعنی کسی دوسری زبان کے لفظ کو اپنی زبان کے اُصول پر تراش خراش کر کے اپنی زبان میں ملالیں تو اس کو 'تمہید' کہیں گے۔

یہ اُصول زبانوں کے بڑھنے اور پھلنے کے لیے بہت مفید ہے۔ یہ قریب قریب دنیا کی سبھی زبانوں میں چلتا ہے اور اس کے مانے بغیر ممکن ہی نہیں کہ زبان ترقی کر سکے۔ بات یہ ہے کہ زبان جامد چیز نہیں۔ وہ ہمیشہ بڑھتی، پھلتی اور ادلتی بدلتی رہتی ہے۔ جو زبان بڑھنا چاہے گی، اس کو دنیا کی دوسری زبانوں سے سروکار رکھنا پڑے گا اور قوموں کے میل جول کے ساتھ ان کی بولیوں اور لفظوں کی آمد و رفت بھی لگی رہے گی۔ اس کا اثر یہ ہوگا کہ اس میں دوسری زبانوں کے لفظ شامل ہوتے رہیں گے۔

ہر زبان کے لفظوں میں حرفوں کی خاص ترتیب اور اس ترتیب سے خاص شکل پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح انسان انسان سب برابر ہیں، پھر بھی فرنگی، حبشی، ہندی، چینی، ترکی سب کی شکلیں ایک سی نہیں ہوتیں۔ ہر ایک کا رنگ روپ اور ناک نقشہ ایک نہیں ہوتا۔ یہی مختلف بولیوں اور ان کے لفظوں کا حال ہے۔ اسی لیے ایک قوم کا آدمی جب دوسری قوم کی بولی کا لفظ لیتا ہے تو اس کی زبان کی فطرت مجبور کرتی ہے کہ ارادے اور احساس کے بغیر اس کی شکل بدل دے۔ ہندوستان کے باہر کا آدمی خواہ کچھ ہی کرے، وہ ہمارے ہندی حرفوں کو کبھی نہ بول سکے گا۔ وہ اس کو کچھ نہ کچھ بدل دے گا۔ اور نہ وہ ہمارے لہجے سے ہمارے لفظوں کو نکالے گا، وہ اس میں بھی کچھ ہیر پھیر کرے گا۔

یہی حال ہندیوں کا بھی ہے۔ عربی کے خاص حروف وہ ادا نہیں کر سکتے۔ ع، ہمزہ اور الف میں اور ث، ص اور س میں اور ت اور ط میں وہ فرق نہیں کر سکتے۔ اس لیے دوسری زبان کا جو لفظ ہمارے یہاں آئے گا، وہ جب تک اپنی بیگانگی چھوڑ کر بالکل گھریلو نہ بن جائے گا، وہ ہمارے دیس میں رہ نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ عربی، فارسی، سنسکرت، انگریزی وغیرہ کے جو ہزاروں لفظ ہماری زبان میں آ گئے ہیں، وہ ہماری زبان کے قاعدوں پر چڑھ کر ہماری زبان کی شکل وصورت اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔

عربی کا صحیح لفظ تمنّی ہے مگر فارس والوں نے اس کو لیا تو تمنا کر دیا اور ہم نے بھی اسی کو قبول کیا۔ عربی تماشی کو ایرانیوں نے تماشا کیا اور ہم کو بھی یہی تماشا پسند آیا۔ لالٹین کی اصل لینٹرن ہے مگر ہم کو لالٹین ہی کی روشنی پسند ہے۔ لفظ تبادلہ عربی کے لحاظ سے غلط ہی کیوں نہ ہو لیکن ہماری زبان میں یہ صحیح ہے۔ اس کو چھوڑ کر مُبادَلہ یا تبَادُل بلوانے کی کوشش زبردستی ہے۔

اسی سے کسی زبان کی خود مختارانہ حکومت کا پتا چلتا ہے۔ لفظ خواہ کسی قوم اور ملک کے ہوں، جب وہ دوسری قوم اور ملک کی زبان میں چلے جاتے ہیں تو ان کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو پیدا کہیں ہوئے ہوں لیکن جب کسی دوسرے ملک کی رعایا بن جاتے ہیں تو اسی دوسرے ملک کے قاعدے اور قانون ان پر چلا کرتے ہیں۔ اس وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ان کی پیدائش کہاں کی ہے اور یہ پہلے کس کی رعایا تھے۔

کسی لفظ کو ہندوستانی بنانے کے بعد ہم کو حق ہے کہ ہم اس کے وہ معنی سمجھیں جو اصل معنی سے مجاز کے طور پر یا اس کے قریب ہونے یا کسی لگاؤ کی وجہ سے ہماری زبان میں پیدا ہو گئے ہیں۔

اسی فقرے میں دیکھیے کہ وجہ عربی لفظ ہے۔ عربی میں اس کے معنی 'منہ' کے ہیں۔ اس سے رُخ کے معنی پیدا ہوئے اور اس سے سبب کے معنی پیدا ہو گئے۔ خود سبب کیا ہے۔ عربی میں اس کے معنی رسّی اور ڈوری کے ہیں جس سے کسی کو باندھا جائے۔ اس سے عربی میں ذریعہ کے معنی پیدا ہو گئے۔

لفظ نقد کو تو دیکھیے کہ یہ کیا ہے۔ نقد کے عربی معنی پرکھنے کے ہیں۔ اس سے ریویو کے معنی میں آج کل نقد یا تنقید بولتے ہیں۔ چونکہ پرکھے سکّے جاتے ہیں، اس سے فارسی میں نقد کے معنی سکّے کے ہو گئے اور دام کی صورت میں سکّے دیے جاتے ہیں، اس لیے اُردو میں نقد دام کے معنی اس دام کے ہوئے جو فوراً دیے جائیں اور نقد اور اُدھار دو مقابل کے اُردو لفظ ہو گئے۔

’علاقہ‘ ہندوستان میں زمینداری کے گاؤں کو کہتے ہیں۔عربی میں اس کے معنی لگاؤ کے ہیں۔اسی لگاؤ سے ہر چیز جس سے آپ کو لگاؤ ہے، آپ کا علاقہ ہے۔’غدر‘ کے معنی عربی میں بے وفائی کرنے کے ہیں۔اس سے اس بے وفائی کو کہنے لگے جو فوج اپنے عہد کو توڑ کر اپنے افسروں سے کرے۔اس فوجی بے وفائی کا نتیجہ بدامنی ہے۔

ایک بادشاہ کی جگہ پر جب دوسرا بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا تو اس کے لیے عربی لفظ ’جلوس‘ غیر عربوں نے استعمال کیا جس کے معنی بیٹھنے کے ہیں اور ’سالِ جلوس‘ تخت نشینی کے سال کی اصطلاح بنی اور چونکہ جب نیا بادشاہ پہلی دفعہ تخت پر بیٹھتا تھا تو تزک و احتشام اور لاؤ لشکر کے ساتھ نکلتا تھا تو ہم ہندوستانی تزک و احتشام کے ساتھ کسی مجمع کے نکلنے کو جلوس کہنے لگے۔اس کو عربی سے کوئی تعلق نہیں۔اور جب بادشاہ اور حاکم دربار میں بیٹھے تو ہم نے جلوس سے اجلاس بنالیا جس کے معنی بٹھانے کے ہیں اور اب نئے زمانے میں انجمنوں اور جلسوں کے بھی اجلاس ہونے لگے۔

جس جگہ بیٹھیں، عربی میں اس کو مجلس کہتے ہیں۔بعض علما اور صوفیا نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ خاص دنوں میں بیٹھ کر لوگوں کو وعظ و نصیحت کیا کرتے اور درس دیتے تھے۔اس سے اس قسم کی نشست اور پھر اس نشست کی تقریروں کو مجلس کہنے لگے۔ہندوستان میں ایسی نشستوں کو کہتے ہیں جن میں لوگ مذہبی اور علمی تقریریں کریں یا مرثیے پڑھیں اور اس سے ہم نے علم مجلس بنایا جس میں تہذیب و شائستگی کے ساتھ مجلسوں میں اُٹھنے بیٹھنے اور سلیقہ اور دلچسپی کی باتیں کرنے کے ڈھنگ سکھائے گئے۔

دولت عربی لفظ ہے۔معنی: ’ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جانا۔‘ عرب میں جب مختلف سلطنتیں یکے بعد دیگرے بنیں اور مٹیں تو سلطنت کو دولت کا نام دیا گیا اور جمع دَوَل بنائی گئی۔ان معنوں میں آج بھی دولتِ برطانیہ اور دَوَلِ یورپ ہم بولتے ہیں۔سلطنت اور بادشاہی خوش قسمتی سے ہاتھ آتی ہے اس لیے ایرانی دولت کو خوش قسمتی کے معنوں میں بولنے لگے۔جس کی یادگار فارسی کی بدولت ہماری ہندوستانی میں بھی لفظ ’بدولت‘ بولا جاتا ہے۔جیسے کہتے ہیں آپ کی بدولت یہ ملا اور پھر بدولت ذریعہ کے معنی میں ہو گیا۔خوش قسمتی کی بڑی نشانی زر و مال ہے اس لیے یا اس لیے کہ یہ زر و مال بھی ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جاتا ہے، اس کو بھی دولت کہنے لگے اور اس سے دولت، دولت مند اور دولت مندی کے لفظ ہندوستانی کو ہاتھ آئے۔

عربی میں ’غصہ‘ کے معنی حلق میں کسی چیز کے اٹک جانے کے ہیں۔ہندوستانی میں اس کے معنی غیظ و غضب کے ہو گئے۔’خفا‘ فارسی میں ’خفہ‘ ہے اور معنی وہی گلے میں اٹکنے اور پھنسنے کے ہیں، ہندوستانی میں ’خفا ہونا‘ ناراض ہونے کے معنی میں ہے۔

بعض لفظ خیالات کی بدولت ہاتھ آئے ہیں۔عربی میں ’فلک‘ آسمان کو کہتے ہیں۔چونکہ نجوم اور جیوتش نے ہم کو یقین دلایا ہے کہ ہماری ساری مصیبتیں آسمان کی گردش کا نتیجہ ہیں، اس سے ہم نے فلک سے ’فلاکت‘ بنایا اور اس سے فارسی کی ترکیب دے کر فلاکت زدہ (فلاکت کا مارا) کیا اور پھر اس کو عربی لفظ سمجھ کر اس کا مفعول ’مفلوک‘ بنالیا اور عربی اضافت دے کر مفلوک الحال کہہ دیا۔حالانکہ اس کے ان معنوں کو عرب جانتا بھی نہیں۔

اس قسم کے ہزاروں عربی لفظ ہیں جو اپنے خاص معنوں میں ہماری زبان کے خاص لفظ ہو گئے ہیں۔یہی حال فارسی کا بھی ہے۔ فارسی کے بہت سے لفظ اور ترکیبیں ہیں جن کو ہم نے اپنے ہندوستانی معنوں کے لیے ہندوستانی لفظ بنالیا ہے۔فارسی میں ’دان‘ لگا کر ظرف بنتا ہے جیسے خاکدان یعنی زمین۔ہندوستانی میں اس سے ہم نے بیسیوں لفظ بنائے جیسے پاندان، اُگالدان، خاصدان، عطردان، قلمدان، جزدان، چائے دان، دودھ دان، شکردان، روشن دان، سنگاردان، شمع دان۔تصغیر کے لیے دان کو ہم نے کبھی ’دانی‘ بھی کر دیا جیسے سرمہ دانی، گوندانی، مچھردانی، تیلے دانی (سوئی تاگا رکھنے کے لیے)

ہندوستانی نے یہی عمل ہندی اور سنسکرت کے لفظوں کے ساتھ کیا ہے۔ ہندی اور سنسکرت سے لفظوں کو اپنانے کے لیے ان کی شکلیں بدلی ہیں۔ ان کو ہلکا کیا ہے۔ ان کی ترکیبوں سے نئے نئے لفظ بنائے ہیں۔ گنگا اور جمنا دو دریاؤں کے نام ہیں۔ سونے چاندی کے ملان سے جو نقاشی کی جائے، وہ گنگا جمنی ہے۔ لفظ ब्रहमण تھا، جو ذرا بھاری تھا۔ اس کو ہماری زبان نے برہمن کر دیا۔ اسی طرح गुण کو 'گن' کر کے اس کو ہلکا کر دیا۔ برکھا رت نے برسات کی شکل اختیار کی، وچار بچار ہو گیا اور سوچ بچار کے ساتھ بولا جانے لگا۔ آ شا نے آس ہو کر یہ مثل کہلوائی کہ جب تک سانس ہے، تب تک آس ہے۔ اس طرح ہندی اور سنسکرت کے لاتعداد لفظوں کو ہندوستانی نے ذرا ذرا ہیر پھیر سے اپنے رنگ میں رنگ کر ان پر نیا رنگ چڑھا دیا ہے۔ غرض عربی، فارسی اور سنسکرت نسل کے ان ہندوستانی بچوں کی تعداد بے شمار ہے۔ اور ہر خود مختار زبان کو اس کا حق ہے کہ وہ دوسری زبان کے لفظوں کو اپنی رعایا بنانے کے لیے ان کے ساتھ یہ سلوک کرے۔

معانی و اشارات

خِراد نا	-	چھیلنا، کانٹ چھانٹ
جامد	-	رُکا ہوا، جما ہوا
مبادلہ	-	تبدیلی
تبادل	-	تبدیلی
تزک و احتشام	-	عظمت، شان و شوکت
ظرف	-	(مراد اسم ظرف) کسی چیز کو رکھنے کا برتن وغیرہ
تصغیر	-	چھوٹا بنانا

مشق

* جان پہچان کی مدد سے شجری خاکہ مکمل کیجیے۔

سیّد سلیمان ندوی
- شخصیت
  - پیدائش ....
  - وفات ....
  - وطن ....
  - اعلیٰ تعلیم ....
- خدمات
  - ادارت: ....
  - تصانیف: .... | .... | .... | ....
- زبانوں پر مہارت
  - ....
  - ....
  - ....

* پاندان، اُگالدان وغیرہ میں 'دان' کے لفظی جز کو 'لاحقہ' کہتے ہیں۔ دوسرے لاحقوں کے استعمال کی مثالیں لکھیے۔

* ذیل کے لفظوں کے معنی لغت سے تلاش کر کے لکھیے:

ٹھیٹ، ہیر پھیر، گھریلو، لگاؤ، جیوتش، ملان

* سبق میں ایک جملہ آیا ہے: اس کو دنیا کی دوسری زبانوں سے سروکار رکھنا پڑے گا۔ دنیا کے لیے اُردو میں استعمال ہونے والے دوسرے الفاظ لکھیے۔

6Q6F63

* خانہ پُری کیجیے۔

۱۔ کسی دوسری زبان کے لفظ کو عربی بنانے کا عمل .....

۲۔ کسی دوسری زبان کے لفظ کو فارسی بنانے کا عمل ....

۳۔ غیر ملکی زبان کے لفظ کو ہندوستانی بنانے کا عمل ......

* لفظ 'جلوس' کے بارے میں تفصیل سے لکھیے۔

* سبق کی روشنی میں لفظ 'نقد' کی تشریح کیجیے۔

* لفظ 'غدر' کے بارے میں تفصیل سے لکھیے۔
* سبق کی روشنی میں دی ہوئی سرگرمی مکمل کیجیے۔

مثال : آشا : آس

برکھارت : .... :: وچار : ....

* شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

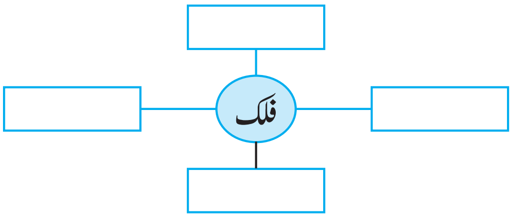

* اس سبق میں جن زبانوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ دو زبانوں کے نام لکھیے۔
* انٹرنیٹ سے اُردو زبان کے پرانے نام معلوم کرکے لکھیے۔
* آپ جو زبانیں پڑھتے ہیں ان کے نام لکھیے۔

عملی قواعد

فعل ناقص/ لازم/ متعدی

ذیل کے جملوں کو غور سے پڑھیے۔

۱۔ دولت عربی لفظ ہے۔
۲۔ ہماری ساری مصیبتیں آسمان کی گردش کا نتیجہ ہیں۔
۳۔ وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔
۴۔ یہ لفظ ذرا بھاری تھا۔
۵۔ میرے ساتھ نہ آنا، نہیں تو ٹھنڈے ہو جاؤ گے۔
۶۔ ابھی شراپ دوں گا، بھسم ہو جائے گا۔

ان جملوں میں الفاظ 'ہے'، ہیں / تھے، تھا / ہو جاؤ گے، ہو جائے گا 'فعل' ہونا' سے بنے ہیں۔ فعل کی ایسی صورتوں کو **فعل ناقص** کہتے ہیں اور ان کا تعلق تینوں زمانوں سے ہوتا ہے۔

* ذیل کے ویب خاکے کو مکمل کیجیے۔

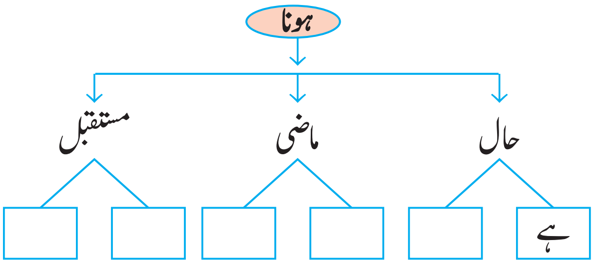

زبان استعمال کرتے وقت اکثر جملوں میں "کام کرنے والا" / اور / "وہ چیز جس پر کام کا اثر ہوتا ہے" جیسے عوامل موجود ہوتے ہیں مثلاً ذیل کے خاکے کو بغور دیکھیے اور پڑھیے:

ہندوستان کے باہر کا آدمی	ہندی حرفوں کو	بول نہ سکے گا
کام کرنے والا	جس پر کام کا اثر پڑا	کام
فاعل	مفعول	فعل

فاعل، مفعول اور فعل جملے کے تین اجزا ہیں۔

اب یہ جملے پڑھیے:

۱۔ ہم پسند کرتے ہیں۔
۲۔ لکڑہارا چلا گیا۔
۳۔ کاتب نے لکھا۔

ان جملوں میں 'ہم/ لکڑہارا/ کاتب' فاعل ہیں۔ 'کرتے ہیں/ چلا گیا/ لکھا' فعل ہیں۔ ان جملوں میں مفعول نہیں ہیں پھر بھی جملوں سے پوری بات سمجھ میں آ جاتی ہے۔ ایسے جملوں کے فعل کو '**فعل لازم**' کہتے ہیں اور ان میں فعل کا اثر فاعل پر پڑتا ہے مثلاً رونا، ہنسنا، آنا، جانا، سونا، مرنا وغیرہ فعل لازم ہیں۔

اب یہ جملے غور سے پڑھیے: ۱۔ مولانا آزاد نے جاری کیا۔ ۲۔ وہ ادا نہیں کرسکتے۔ ۳۔ شاعر سناتا ہے۔

ان جملوں میں 'مولانا آزاد، وہ، شاعر' فاعل ہیں اور 'جاری کیا، نہیں کرسکتے، سناتا ہے' فعل ہیں۔ لیکن یہ جملے اپنا پورا مطلب واضح نہیں کرتے۔ جب ہم کہیں گے کہ ۱۔ مولانا آزاد نے اخبار جاری کیا۔ ۲۔ وہ خاص عربی حروف ادا نہیں کرسکتے۔ ۳۔ شاعر غزل سناتا ہے۔

تبھی ان جملوں کا مطلب سمجھ میں آئے گا یعنی یہاں الفاظ 'اخبار، خاص عربی حروف، غزل' بڑھائے گئے ہیں جو اِن جملوں کے مفعول ہیں۔ وہ جملہ جو اپنے فاعل کے ساتھ مل کر پورے معنیٰ نہیں دیتا بلکہ اس کا مطلب پورا ہونے کے لیے مفعول بھی ضروری ہے، ایسے جملے کے فعل کو '**فعل متعدی**' کہتے ہیں مثلاً کھانا، پینا، پڑھنا، سونگھنا وغیرہ۔

ذیل کے جملوں کو ان کے تین اجزا میں تقسیم کیجیے۔

۱۔ وہ ہندی حرفوں کو کبھی نہ بول سکے گا۔
۲۔ فارسی والوں نے یہ لفظ بدل دیا۔
۳۔ وہ ہر سکہ پرکھتے ہیں۔